ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

بائبل میں مذکور انبیاء کا اللہ تعالیٰ سے مخاطبت کا اسلوب

سونیا امجد*

انبیاء کرام وہ ہستیاں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے بطور رہبر و رہنما مبعوث فرمایا۔ ان کا مقصدِ حیات بنی نوع انسان کی ہدایت و اصلاح تھا۔ اسی لیے ہر نبی کا اسوہ اپنی قوم کے لیے ہدایت و رہنمائی کا بہترین نمونہ تھا۔ پیغمبروں کی اللہ تعالیٰ نے الہامی ہدایت کے ذریعے رہنمائی فرمائی جس کے باعث ان کے بتلائے گئے احکامات پر عمل کرنا لازم و ملزوم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیامبروں کی رہنمائی کس طرح کی اور ان ہستیوں کا رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق و ربط کیسا تھا؟ اس کی نوعیت کیا تھی وہ رب کو کس طرح اور کن کن مواقع پر مخاطب کرتے تھے۔ ذیل میں بائبل کے عہد نامہ قدیم و جدید کے تناظر میں انبیاء کرام کے اللہ تعالیٰ سے تعلق و ربط کو بائبل کے منتخب دروس کی روشنی میں، بمع تشریحات و توضیحات بیان کیا جارہا ہے۔

انبیاء کرام کے اللہ تعالیٰ سے تعلق کی نوعیت:

انبیاء ورسل کا اللہ رب العزت سے تعلق مختلف نوعیت کا تھا۔ اس تعلق ورابطہ کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

- مکالمہ
- دعا
- التجا

مکالمہ کا معنی و مفہوم

لفظ مکالمہ کا مادہ کلم اور باب مفاعلہ ہے۔ اس باب کی خاصیت اشتراک ہے یعنی کام میں دو یا زیادہ افراد کا اشتراک پایا جاتا ہے۔

ا۔ درسی اردو لغت میں مکالمہ کا معنی یہ بیان ہوا ہے:

مکالمہ: باہمی گفتگو۔ ہم کلامی۔ باہم سوال وجواب۔ آج تو دو استادوں میں خوب مکالمہ ہوا۔ جمع: مکالمات۔ [1]

۲۔ القاموس الوحید میں ہے:

المکالمۃ: گفتگو، بات چیت [2]

---

* لیکچرار، گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، رینالہ خورد اوکاڑہ۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

۳۔ فیروز اللغات میں مکالمہ کا معنی یہ بیان ہوا ہے:

مکالمہ: گفتگو۔ زبانی سوال و جواب۔ ہم کلامی۔ ناٹک۔ ڈرامہ۔ جمع مکالمات [3]

۴۔ المعجم الوسیط کے مترجم ایڈیشن میں کلم کے باب مفاعلہ کے فعل ماضی کا معنی یہ بیان ہوا ہے:

کالمہ: کسی سے مخاطب ہونا[4]

۵۔ ڈاکٹر غلام علی مکالمے کی جہات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اسلامی نقطہ نظر سے مکالمے کی پانچ نوعیتیں یا جہات ہو سکتی ہیں:

۱۔ دعوت اسلام اور کسی غیر مسلم کا اپنے افکار کے حق میں بحث و مباحثہ پیش کرنا جیسے انبیاء کرام کے حالات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد، قوم اور نمرود سے مکالمہ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مکالمہ۔

۲۔ مختلف مذاہب کے لوگوں کا اپنے اپنے مذہب کے حق میں دلائل دینا قرآن نے اس کے لیے مجادلہ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

۳۔ ایک سوسائٹی میں اکٹھے رہنے کی صورت میں باہمی معاملات کی حدود طے کرنا، جیسے میثاق مدینہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ یہ تینوں صورتیں شرعی نقطہ نگاہ سے قابل قبول ہیں۔

۴۔ مختلف مذاہب کی اخلاقیات یا مختلف باتوں کو جمع کر کے ایک نئے مشترکہ مذہب کی تشکیل کی کوشش کرنا جیسے اکبر کا دین الٰہی وغیرہ۔ یہ صورت مکالمہ ناقابل قبول ہو گی۔

۵۔ عصر حاصر میں مکالمے کی ایک صورت موجودہ عالمی، سیاسی، معاشی، عسکری، فکری اور ثقافتی کشمکش ہے۔ یہ کشمکش بین المذاہب نہیں ہے بلکہ تہذیبوں اور ثقافتوں کے درمیان Clash کے امکانات کی تبلیغ پر ہے۔"[5]

انبیاء کرام کا اللہ تعالیٰ سے کلام و مکالمہ

تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کریں تو ہمیں طرح طرح کے مصلحین و فاتحین ملتے ہیں۔ شریں زبان واعظ اور آتش بیان خطیب سامنے نظر آتے ہیں۔ بادشاہوں و حکمرانوں کی بڑی تعداد ہر دور میں موجود رہی ہے۔ انقلابی طاقتیں تاریخ میں نقشہ ء حیات کو زیر زبر کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن ان کے نظریات و تعلیمات اور کارناموں کو بحثیتِ مجموعی دیکھا جائے تو کسی نہ کسی چیز میں وہ بنیادی جھول اور سقم کا شکار ہیں۔ انبیاء کرام کے ماسوا کوئی بھی ذریعہ یا عنصر انسانیت کی فلاح و تعمیر کا اس قدر حریص نہیں ہوتا، جس قدر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر و پیامبر ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی چنیدہ و برگزیدہ ہستیاں ہونے کی حیثیت سے الہامی ہدایت کی چھتری تلے ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام نے اپنے مشن سے متعلق اللہ رب العزت یا ان کے بھیجے ہوئے پیامبر فرشتے سے کلام و مکالمہ کر کے رہنمائی طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر موقع پر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

اپنی مدد و نصرت سے نوازا۔ ذیل میں انبیاء کرام کی بائبل میں مذکور اللہ تعالیٰ سے خطاب و کلام کی مثالیں مع تشریحات و توضیحات بیان کی جا رہی ہیں۔

انبیاء کرام کا اللہ تعالیٰ سے کلام و مکالمہ کی امثلہ

مثال اول

تب موسیٰ نے خدا سے کہا جب میں بنی اسرائیل کے پاس جا کر ان کو کہوں کہ تمہارے باپ دادا کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور وہ مجھے کہیں کہ اس کا نام کیا ہے تو میں ان کو کیا بتاؤں؟ خدا نے موسیٰ سے کہا میں جو ہوں سو میں ہوں۔ سو تو بنی اسرائیل سے یوں کہنا میں جو ہوں نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔[6]

مثال اول اور اس کی تشریح

موسیٰؑ کا اللہ تعالیٰ سے مکالمہ:

موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کا منصب عطا کیا اور انہیں معجزات کا اختیار بخشا۔ اس کے بعد فوراً ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بھاری ذمہ داری سونپ دی۔ موسیٰؑ کو مدین سے مصر جا کر پہلے بنی اسرائیل کے سامنے کھلے عام دعوتِ الی اللہ پیش کرنا تھی اور اس کے ساتھ ہی فرعون کے سامنے اللہ تعالیٰ کا پیغام پیش کرنا تھا۔ یعنی موسیٰؑ وہ نبی ہیں جن سے دعوت کے ابتدائی مراحل میں کھلے عام دعوتِ دین پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی دعوتِ دین کی ابتدائی سرگرمیوں میں چھپ کر دعوت دینے کا مرحلہ نہیں تھا۔

- A new catholic commentary on the Holy Scripture میں موسیٰؑ کو نبوت عطا ہونے کے بارے میں بیان کیا گیا ہے:

"Moses received his mission at the mountain of God in Median, identified in old Biblical tradition with the mountain where Israel later made the part with Yahweh."[7]

کیتھولک کمینٹری کے مصنف کے مطابق موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے مدین کے پہاڑ پر منصبِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔ رب تعالیٰ نے موسیٰؑ کو اپنا تعارف کروایا۔ اس تعارف میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بتلایا کہ وہ ابرام، اضحاق / اسحاقؑ اور یعقوب کا خدا ہے اور خداوند نے موسیٰ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

سے کہا کہ وہ مصر میں موجود اپنے لوگوں کی تکلیف کو دیکھتا ہے اور ان کی آہ وزاری کو سنتا ہے۔ اب اس نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، نیز یہ کہ ان کو فرعون کے ظلم و ستم سے نجات دلائے۔

- Master study Bible, کا مصنف لکھتا ہے:

"The rigors of bondage in Egypt are the type of all redemption and Pharaoh (a type of Satan) calls forth the preparation of deliverer Moses (a type of Christ)."[8]

موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کے لیے رب تعالیٰ کی طرف سے ایک مسیحا کی حیثیت سے مصر کی طرف روانہ ہونا تھا کیونکہ رب تعالیٰ نے اس مقصد کے لیے ان کا انتخاب کیا تھا۔ اس عظیم انتخاب کے بعد رب تعالیٰ نے خود ان سے ہمکلام ہونے کا فیصلہ کیا اور انہیں بنا کسی رکاوٹ کے اپنے حضور بات چیت کی اجازت دی۔ موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے جب ان کے مشن سے آگاہ کیا تو اس کے ساتھ ہی اللہ نے ان کے سوالوں کے جواب بھی دیے تا کہ آنے والے دنوں میں جب وہ احکاماتِ الٰہیہ فرعون تک پہنچائیں تو انہیں کسی طرح کی مشکل در پیش نہ ہو۔

- Irwin's Bible commentary میں درج ہے:

"More exactly, the eternal, the God of your fathers, God of Abraham, reminding the Israelites of the covenant into which he had entered with their ancestor and his promise."[9]

موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ وہ فرعون کے دربار میں حاضر ہوں اور بنی اسرائیل کی رہائی کا سامان کریں تو ان پر یہ بھی واضح کیا کہ میں نے تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق سے ان کی نسلوں سے نبوت و سرفرازی کا وعدہ کیا تھا۔ بنی اسرائیل یوسفؑ کے زمانے میں مصر میں آباد ہوئے، ابتدا میں وہ کافی عرصہ تک مصر میں خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور غفلتوں کے باعث اللہ نے انہیں غلام قوم بنا دیا اب جب کہ وہ اپنے گناہوں پر نادم تھے اور رب سے دادرسی کی فریاد کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد و نصرت کے لیے اپنا پیامبر موسیٰؑ کو مقرر کیا۔

- Commentary on the whole bible میں بیان کیا گیا ہے:

"God having spoken to Moses, allows him also a liberty of speech, which he here improves and he objects his own insufficiency for the service he was called."[10]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو یہ کہا کہ تو میری قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے تو موسیٰؑ نے براہِ راست خدا تعالیٰ سے اپنے مقام و منصب کے بارے میں سوال کیا کہ میں کون ہوتا ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لاؤں یہاں موسیٰؑ کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے حضور آزادانہ کلام کی اجازت بخشی تھی۔ موسیٰؑ کے اس سوال پر اللہ تعالیٰ نے انہیں محبت و شفقت سے جواب دیا اور انہیں تسلی دی کہ وہ ہر موقع پر موسیٰؑ کے ساتھ ہو گا، اس کی قدم قدم پہ رہنمائی بھی کرتا رہے گا۔

- Bridge way commentary میں منقول ہے:

"On certain occasion when God gave a fresh revelation of himself, he revealed a new title for himself that summarized the revelation in one or two words. The name that God announced to Moses on this occasion was 'I am'."[11]

موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ کا اچانک ہمکلام ہونا اور پھر اللہ تعالیٰ کا انہیں ایک بڑی ذمہ داری سونپ دینا انہیں بہت حیران کر گیا۔ اسی حیرانی اور پریشانی کے عالم میں موسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے یہ پوچھ بیٹھے کہ وہ یہ کام کیوں کریں؟ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ پر واضح کیا کہ اس عظیم ذات میں اس کام کے لیے انہی کو چنا ہے تو موسیٰؑ نے پوچھا کہ میں بنی اسرائیل کے پاس جاؤں تو انہیں کہوں کہ تمہارے آباواجداد کے خدا نے مجھے بھیجا ہے تو وہ مجھ سے کہیں گے کہ اس کا نام کیا ہے، تو میں ان کو کیا بتاؤں؟

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے نام پوچھنے کے جواب میں فرمایا "میں جو ہوں سو وہ میں ہوں" یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد موسیٰؑ سے کہا کہ میرا یہی تعارف پیش کیا جائے اور مزید یہ کہ بنی اسرائیل کو یہ بتا دیا جائے کہ تمہارے باپ دادا کے خدا نے مجھے بھیجا ہے۔ میں تمہاری دادرسی کے لیے رب تعالیٰ کا بھیجا ہوا نمائندہ ہوں۔

موسیٰؑ کے رب سے کلام کا اگلا حصہ التجا کی مثال کی وضاحت میں موجود ہے۔

مثال دوم

"داؤد نے خداوند سے پوچھا کہ میں یہوداہ کے شہروں میں سے کسی میں چلا جاؤں خداوند نے اس سے کہا، جا۔ داؤد نے کہا کدھر جاؤں؟ اس نے فرمایا، حبرون کو۔ سو داؤد مع اپنی دونوں بیویوں اور کرملی نابال کی بیوی کے وہاں گیا اور داؤد اپنے ساتھ کے آدمیوں کو بھی ایک ایک کے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

گھرانے سمیت وہاں لے گیا اور وہ حبرون کے شہروں میں رہنے لگے۔ تب یہوداہ کے لوگ آئے اور وہاں انہوں نے داؤد کو مسح کر کے یہوداہ کے خاندان کا بادشاہ بنایا۔"[12]

مثال دوم کی توضیح

داؤدؑ کا خداوند سے دوسرے علاقے کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت طلب کرنا:

بائبل میں داؤدؑ کے حالات کا تذکرہ بادشاہ کے تناظر میں زیادہ ہے۔ بائبل میں مذکور داؤدؑ کے سارے حالات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ داؤد کا ایمان گہرا، پختہ اور مضبوط تھا۔ وہ خدا کے وفادار اور جاں نثار تھے اور انہوں نے اپنی قوم کے دل و وفاداریاں جیت لیں لیکن ساتھ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات وہ سنگ دل ہو جاتے ہیں اور اپنی ہوس، ارادہ اور خواہش پوری کرنے کے لیے اخلاق سے گرا ہوا گناہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔

- The one volume Bible commentary میں درج ہے:

"He asked God's wishes, before he takes the decisive step."[13]

داؤدؑ کے دل میں جب دوسرے علاقے کی طرف ہجرت کرنے کا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار خداوند کے حضور کیا۔ Dummelow کے مطابق داؤدؑ کا اللہ تعالیٰ کے حضور دوسرے علاقے کی طرف کوچ کر جانے کے بارے میں اس کی رضامندی جاننا ضروری تھا کیونکہ ایک نبی جب بھی کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس سے قبل اپنے مالک کی رضا جانتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ داؤدؑ کے ساتھ ہوا۔

- The one volume Bible commentary میں مزید بیان ہوا ہے:

"There were several reasons which rendered Hebron suitable. It was fairly central, was a celebration town, and David had friends there."[14]

داؤدؑ کی خواہش تھی کہ وہ یہوداہ کے شہروں میں سے کسی شہر میں جا کر قیام پذیر ہوں۔ اسی لیے انہوں نے خداوند سے اپنے دل کی مکمل تمنا کا اظہار کیا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں کہ اے خداوند! میں یہوداہ کے شہروں میں سے کسی شہر چلا جاؤں؟ گویا داؤدؑ نے سوال کی صورت میں رب سے کلام کیا اور اس کی رہنمائی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو راستہ دکھایا اور حکم دیا کہ چلے جاؤ۔ داؤدؑ کو اپنے رہائشی علاقے سے دوسرے وطن جانے کی اجازت جب خداوند نے دی تو داؤد نے ساتھ ہی یہ بھی پوچھا کہ کس شہر میں جاؤں؟ اللہ تعالیٰ نے حبرون جانے کا حکم دیا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

- Irwin's Bible commentary میں آئرون داؤدؑ کی رب سے اجازت طلب کرنے کے بارے میں لکھتا ہے:

"David does not take a single step towards the attainment of the promised Kingdom without divine direction."[15]

داؤدؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہوداہ کی جانب کوچ کر جانے کی اجازت ملنے کے بعد بھی اگلے سوال میں خداوند سے اس علاقے کا نام دریافت کرنے کا ذکر ہے۔ یہ مثال جہاں داؤدؑ کی رب سے کلام، رہنمائی طلب کرنے کی وضاحت کرتی ہے وہیں ان کی پیغمبرانہ عاجزی کو بھی ظاہر کرتی ہے۔

- Irwin's Bible commentary میں مزید منقول ہے:

"Inquiring first whether he should await an invitation to fill the vacant throne, and then how far he should go in attracting to himself the notice of people."[16]

داؤدؑ کا اللہ تعالیٰ سے دوسرے علاقے کی طرف ہجرت کرنے کا پوچھنا دراصل اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ بحثیتِ نبی انہیں ابھی فوراً ہجرت کر جانی چاہیے یا وہ خداوند کے حکم کا انتظار کریں۔

درج بالا مثالوں کی وضاحت میں انبیاء کرام کے اللہ رب العزت سے کلام و مکالمہ کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند ایک انبیاء کرام کو یہ اختیار بخشا کہ وہ اس سے کلام کر سکیں۔ اس میں واضح مثالیں موسیٰؑ کی ملتی ہیں۔ دیگر انبیاء ورسل نے رب سے جو کلام کیا وہ بلاواسطہ نہیں بلکہ بلواسطہ ہو گا یعنی فرشتے کے وساطت سے، موسیٰؑ کے علاوہ انبیاء کرام نے جو رب سے کلام کیا اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے کیسے دیا ہو گا؟ اس کی باریکیوں میں جانے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔ بہرحال بائبل میں مذکور دروس کے ذریعے انبیاء کے اللہ تعالیٰ سے کلام کی مثالوں کی وضاحت یہاں بیان کی گئی ہے۔

انبیاء کرام کی رب تعالیٰ کے حضور التجا

انسان جب کسی مشکل یا مصیبت میں پھنس جاتا ہے تو اسے اپنے رب کی یاد آتی ہے، وہ بے اختیار آسمان کی طرف نگاہیں اٹھاتا ہے اور مشکل و مصیبت سے نکلنے کے لیے دل ہی دل میں یا با آوازِ بلند رب سے التجا کرتا ہے۔ اس التجا و مناجات کے بعد وہ اپنے دل میں سکون کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے جس عالی مقام و منصب پر فائز کیا، لوگوں کے مصلح ورہبر کی کٹھن ذمہ داری ادا کرنے کے باعث انہیں ہر قدم پر کئی چیلنجز کا سامنا ہوتا ہے۔ حق و باطل کی کش مکش چھڑ جائے تو اہلِ باطل اہلِ حق و عزیمت کا جینا حرام کر دیتے ہیں۔ ایسے میں انبیاء کرام جو کہ اپنی قوم کے درمیان قائد و حاکم کی حیثیت سے موجود ہوتے ہیں، ہر مشکل اور مصیبت میں فوراً ذاتِ باری

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو کر اس سے مدد و نصرت کی التجا کرتے ہیں۔ ان کی التجائیں و مناجات ان کی ہستیوں کی کچھ اس طرح عکاسی کرتی ہیں کہ وہ خود کو اپنے مالک و رب کے حضور کتنا کمتر اور عاجز خیال کرتے ہیں۔

ذیل میں التجا کا مفہوم اور بائبل میں مذکور انبیاء کرام کی التجا کی مثالیں مع توضیحات و تعبیرات بیان کی جارہی ہیں۔

التجا کا معنی و مفہوم:

۱۔ فیروز اللغات میں التجا کا معنی یہ بیان ہوا ہے:

التجا: آرزو۔ تمنا۔ منت۔ سماجت۔ عاجزی۔ عرض۔ گذارش۔ درخواست

التجا کرنا: منت کرنا۔ خوشامد کرنا۔ گڑگڑانا۔ درخواست کرنا

التجا لے جانا: عرض لے جانا۔ آرزو پیش کرنا۔[17]

۲۔ درسی اردو لغت:

التجا: عرض۔ درخواست۔ گزارش۔ تنخواہ بڑھانے کے لیے میری التجا پر ضرور غور فرمایئے۔[18]

شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

انبیاء کرام کی رب تعالیٰ کے حضور التجا کی امثلہ

مثال اول

"موسیٰ نے خداوند سے کہا اے خداوند! میں فصیح نہیں نہ تو پہلے ہی تھا اور نہ جب تو نے اپنے بندے سے کلام کیا۔ بلکہ رک رک کر بولتا ہوں۔ میری زبان کند ہے۔ تب خداوند نے اسے کہا کہ آدمی کا منہ کس نے بنایا ہے؟ اور کون گونگا یا بہرا یا بینا یا اندھا کرتا ہے؟ کیا میں ہی جو خداوند ہوں نہیں کرتا؟ سو اب تو جا، میں تیری زبان کا ذمہ لیتا ہوں اور تجھے سکھاتا رہوں گا کہ تو کیا کیا کہے۔ تب اس نے کہا کہ خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج۔"[19]

مثال اول کی تفسیر و تشریح

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

موسیٰؑ کی خداوند سے التجا:

موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے منصبِ نبوت عطا کرنے کے ساتھ، اس سے متعلق انہیں مکمل رہنمائی عطا کی نیز اپنی مدد و نصرت کی یقین دہانی کروائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف موسیٰ کو کروایا اور انہیں یہ بھی بتایا کہ وہ کس طرح مصر پہنچ کر بنی اسرائیل کو پیغامِ خداوندی ان تک پہنچائیں، پھر اس کے بعد اسرائیلی بزرگوں کے ساتھ مصر کے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر اس سے بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ عبادت کے لیے لے جانے کی اجازت طلب کریں۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو پہلے ہی سے بتا دیا کہ مصر کا بادشاہ بنی اسرائیل کو عبادت کے لیے جانے کی اجازت نہ دے گا اور اس کا دل سخت ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو ذہنی طور پر آزمائش و خطرات میں کودنے کے لیے تیار کیا۔ تب موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ وہ لوگ میری بات کا یقین نہیں کریں گے اور کہیں گے کہ تجھے خدا دکھائی نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو نشانی کے طور پر معجزات عطا کیے۔ تب موسیٰؑ گھبرا گئے۔ انہیں منصبِ نبوت کا بار شدت سے محسوس ہونے لگا، وہ التجائی انداز میں رب تعالیٰ سے کلام کرنے لگے۔

- Commentary on the whole bible میں موسیٰؑ کی رب کے حضور التجا کے بارے میں منقول ہے:

"Observe here, how Moses endeavors to excuse himself from the word. He pleads that he was no good spokesman, O my Lord! I'm not eloquent."[20]

موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے دل کا خوف الفاظ کی صورت میں بیان کر دیا۔ وہ التجائی انداز میں کہنے لگے کہ اے خداوند! میں فصیح نہیں ہوں، نہ تو پہلے تھا بلکہ رک رک کے بولتا ہوں اور میری زبان کند ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ موسیٰؑ کس طرح رب کے حضور اپنے آپ کو عاجز ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے کلام سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو نبوت کے عظیم منصب سے عاری سمجھ رہے تھے۔

- Commentary on the whole bible میں مزید بیان ہوا ہے:

"Moses said: I had not a voluble tongue or a ready utterance and therefore he thought himself unfit to speak before men about great affairs and in danger of being run down by Egyptians."[21]

موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور جو عذر رکھا وہ بے بنیاد نہیں تھا۔ نبوت کی ذمہ داری سرانجام دینے کے لیے ایک نبی کے پاس زبان و بیان کی صلاحیت بدرجہءاتم موجود ہونا ضروری ہوتا ہے کیونکہ خطاب اور بیان کے ذریعے ہی وہ رب کا پیغام اپنی قوم تک پہنچا سکتے ہیں۔ بڑے بڑے مسائل اور مقدمات حل کرنے کے لیے، لوگوں کو سمجھانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کے لیے بھی فصیح اللسان اور مؤثر اخلاق کی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

صلاحیت ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ایک نبی کا صبح سے شام تک کا واسطہ اپنی قوم اور اس کے افراد سے ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ موسیٰؑ میں ابلاغ کی صلاحیت موجود ہو، مگر انہیں اس کا ادراک نہ ہوا ہو۔ بہر حال انہوں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ اے خداوند! میں تیری منت کرتا ہوں کہ کسی اور کے ہاتھ یہ پیغام بھیج دے۔

- Bridge way commentary میں ڈان فلیمنگ رقم طراز ہے:

"Moses was hesitant when he saw the task that lay ahead but assured him of divine help."[22]

گویا موسیٰؑ گھبراہٹ و پریشانی کے عالم میں تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی سرکش قوت سے مقابلے کے لیے کھڑا ہونے کو کہا تھا۔ موسیٰؑ ایک طرف تو گھبرا رہے تھے دوسری جانب وہ خود کو بہت کمزور محسوس کر رہے تھے۔ اسی لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پریشانی کے عالم میں یہ التجا بھی کر دی کہ خداوند میں تو اس منصب کا اہل ہی نہیں ہوں۔

- A new catholic commentary on the Holy Scripture میں موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ کا بطور پیامبر یوں بیان کیا گیا ہے:

"A connection ensues from the fact that Aaron is Moses's brother and spokes man."[23]

موسیٰؑ کی التجا سننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی بھرپور مدد کی یقین دہانی کرائی۔ ساتھ ہی موسیٰؑ کی تسلی اور ساتھ کے لیے انہیں بتایا کہ وہ ہارونؑ کو ان کا مددگار مقرر کر رہے ہیں۔ ہارونؑ فصیح اللسان تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں موسیٰؑ کا ساتھی مقرر کر دیا۔

بائبل میں موسیٰؑ کی التجا سننے کے بعد جو خداوند کا ردِ عمل بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تب خداوند کا قہر موسیٰ پر بھڑکا۔ گویا کہ بائبل میں اللہ رب العزت کا منصبِ ربوبیت منفی انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ رب العزت اپنے جلیل القدر انبیاء کرام سے سختی و تلخی سے کلام کرتے ہیں حالانکہ انبیاء تو اللہ رب العزت کے فرمانبردار اور برگزیدہ ہستیاں ہوتی ہیں۔ لہٰذا بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ و محبوب بندوں سے جو ہر وقت اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور اسے راضی کرنے میں رہتے ہیں، سختی و ترشی سے پیش آئیں۔

مثال دوم

"میری جان تیری نجات کے لیے بے تاب ہے لیکن مجھے تیرے کلام پر اعتماد ہے۔ تیرے کلام کے انتظار میں میری آنکھیں رہ گئیں میں یہی کہتا رہا کہ تو مجھے کب تک تسلی دے گا؟ میں اس مشکیزہ کی مانند ہو گیا جو دھوئیں میں ہو، تو بھی میں تیرے آئین کو نہیں بھولتا۔ تیرے بندہ کے

دن ہی کتنے ہیں؟ تو میرے ستانے والوں پر کب فتویٰ دے گا؟ مغروروں نے جو تیری شریعت کے پیرو نہیں میرے لیے گڑھے کھودے ہیں۔ تیرے سب فرمان برحق ہیں۔ وہ ناحق مجھے ستاتے ہیں۔ تو میری مدد کر۔"[24]

مثال دوم کی تعبیرات و توضیحات

داؤدؑ کی رب سے رہائی کے لیے التجا:

زبور کی کتاب بائبل میں، گیتوں اور دعاؤں پر مبنی ہے۔ بنی اسرائیل نے ان گیتوں، دعاؤں، التجاؤں اور مناجات کو اکٹھا اور مرتب کیا اور وہ انہیں عبادتوں میں استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پرستش و ستائش کے گیت ہیں، کچھ مدد، حفاظت اور نجات کے لیے دعائیں ہیں۔ کچھ معافی کے لیے التجائیں ہیں اور کچھ دشمنوں کو سزا دینے کی درخواستیں ہیں۔ یہ دعائیں شخصی و ذاتی اور قومی و اجتماعی ہیں۔ بعض ایک فرد کے گہرے شخصی و دلی احساسات کو پیش کرتی ہیں جبکہ دوسری دعائیں سارے لوگوں کی ضروریات و احساسات کی نمائندگی کرتی ہیں۔

بائبل کے اسکالرز کا خیال ہے کہ زبور کا نصف سے زیادہ حصہ داؤدؑ کی زبان سے بیان ہوا۔ زبور کو پانچ مجموعوں یا کتابوں میں یکجا کیا گیا ہے۔ یہ تقسیم موضوعات کی مناسبت سے ہے۔

- Bridge way commentary میں درج ہے:

"During periods of suffering, the palmist has at times wondered why God is slow to act in saving him as he promised. He feels as unless and lifeless as a dried-up wineskin. Yet he does not lose hope."[25]

بائبل کے ان دروس میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی کی حالت کس قدر زار ہے، نبی رب تعالیٰ کے حضور اپنی التجائیں عاجزانہ انداز میں رکھتے ہیں۔ ان کی التجا کے الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مشکلات و مصائب کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں وہ جب کہ زندگی کی امید سے بھی دور ہیں وہ رب کو پکارتے ہیں۔ ان کی التجا میں ایک طرف مایوسی کی کیفیت بیان ہوئی ہے جبکہ دوسری طرف وہ اللہ رب العزت کے احکامات پہ کاربند ہونے کا دعویٰ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

- Irwin's Bible commentary میں منقول ہے:

"The Jewish nation is here personified. It was plowed with the scourge of slavery."[26]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

ان دروس کی وضاحت کرتے ہوئے بائبل کے بعض اسکالرز کا خیال ہے کہ یہ دروس بنی اسرائیل کی حالت کی عکاسی کرتے ہیں، وہ قوم کس طرح غلامی کے جال میں پھنسی ہوئی تھی، نبی اپنی قوم کی حالت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نجات کی التجا کرتے ہیں۔

- The one volume Bible commentary کا مصنف بیان کرتا ہے:

"Bottles were made of the untanned hide of an animal. In the smoke they would be dried up, shriveled and useless. Such Israel seemed to be in captivity."[27]

J.R. Dummelow کا کہنا ہے کہ نبی نے اپنی قوم کی حالت رب کے حضور اس طرح بیان کی ہے کہ اے رب! میں اس مشکیزہ کی مانند ہوں جو دھویں میں ہو۔ ظاہر ہے کہ نبی کے کہنے سے مراد یہ ہے کہ وہ پانی جو مشکیزے میں ہو دھویں کے باعث خشک ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی حالت بنی اسرائیل کی ہے۔

انبیاء ورسل کی التجا کی مثالوں کی روشنی میں یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ انبیاء کرام دنیاوی بادشاہوں وحکمرانوں کی مانند طرزِ عمل اختیار نہیں کرتے بلکہ وہ اپنی زندگی کے تمام مراحل میں خدا تعالیٰ سے رہنمائی طلب کرتے ہیں اور وہ اپنے مسائل ومشکلات رب تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے ساتھ مدد ونصرت کی التجا کرتے ہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ بروقت وبخوبی ان کی رہنمائی کرتے ہوئے ان کی پکار کا جواب مسائل سلجھانے کی صورت میں انہیں دے دیتے ہیں۔

انبیاء کرام کی اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں ومناجات

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ باری وہ عظیم الشان ہستی ہے جس کے سامنے دستِ دعا پھیلانے کا ہر انسان محتاج ہے، اس کی رفعتِ شان اور اعلیٰ صفات کا استحضار ضروری ہے اور یہ بندے کے مقامِ عبدیت کے اظہار کے عین مطابق بھی ہے۔ انبیاء کرام اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ کی شانِ وحدانیت وربوبیت کا اظہار کرتے ہیں نیز اپنی عاجزی وانکساری کو اس ذاتِ باری کے حضور پیش کرتے ہیں۔ انبیاء ورسل کی رب کے حضور مانگی جانے والی دعائیں ان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو بیان کرتی ہیں۔ ان کی دعائیں راز ونیاز اور اظہارِ عبدیت سے بھرپور ہوتی ہیں۔ ذیل میں انبیاء کرام کی اللہ تعالیٰ کے حضور مانگی جانے والی دعاؤں کی مثالیں مع تشریحات بیان کی جارہی ہیں۔

دعا کا معنی ومفہوم

ا۔ فیروز اللغات:

دعا: خدا سے مانگنا۔ التجا۔ التماس۔ استدعا۔ دعا کی عبارت۔ مناجات۔ مغفرت کی طلب۔ کسی کی بہتری کی خواہش۔ مراد۔ سلام۔ مبارک۔ شیرباد۔ جمع: ادعیہ[28]

۲۔القاموس المحیط:

دعا بالشیء: دعوا و دعوة ودعاء ودعوی: منگانا، طلب کرنا۔ دعا بالکتاب: اس نے کتاب منگوائی۔

دعا فلانا: بلانا، پکارا، آواز دینا، مدد چاہنا، مدد کے لیے بلانا۔

دعا اللہ: اللہ سے خیر کی درخواست کرنا، دعا کرنا۔

دعا لفلان: کسی کے حق میں خیر کی دعا کرنا۔ کسی کی طرف منسوب کرنا۔

دعا الی الشیء: دعوت دینا، آمادہ کرنا، کسی بات پر مجبور کرنا۔

دعا الی الصلاۃ: ترغیب دینا۔

دعا الی الدین والمذہب: کسی مذہب یا مسلک کو ماننے کی ترغیب دینا۔[29]

۳۔المعجم الوسیط:

دعاہ بداعیۃ الاسلام: اس نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ دعویٰ

الدعاء: دعا۔ وہ قول جس کے ساتھ اللہ کو پکارا جائے۔ جمع: ادعیۃ

الدعوۃ: تبلیغ۔ مذہب یا کسی نظریہ کی ترغیب[30]

۴۔درسی اردو لغت:

دعا: پکار۔ عرض۔ التجا۔ میں تمہاری صحت اور سلامتی کے لیے دعا کرتا ہوں۔[31]

انبیاء کرام کی اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں و مناجات کی امثلہ

مثال اول

"تب میں نے ہاوا کے دریا پر منادی کرائی تا کہ ہم اپنے خدا کے حضور! اس سے اپنے اور اپنے بال بچوں اور اپنے مال کے لیے سیدھی راہ طلب کرنے کو فروتن بنیں۔"[32]

"جب عزرا خدا کے گھر کے آگے رو رو کر دعا اور اقرار کر رہا تھا تو اسرائیل میں سے مردوں اور عورتوں اور بچوں کی ایک بہت بڑی جماعت اس کے پاس فراہم ہو گئی اور لوگ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔"[33]

مثال دوم

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

"سو اب اے ہمارے خدا بزرگ اور قادر و مہیب خدا جو عہد اور رحمت کو قائم رکھتا ہے وہ دکھ جو ہم پر اور ہمارے بادشاہوں پر اور ہمارے سرداروں اور ہمارے کاہنوں پر اور ہمارے نبیوں اور ہمارے باپ دادا پر اور تیرے سب لوگوں پر اسور کے بادشاہوں کے زمانے سے آج تک پڑا ہے سو تیرے حضور ہلکانہ معلوم ہو تو بھی جو کچھ ہم پر آیا ہے اس سب میں تو عادل ہے کیونکہ تو سچائی سے پیش آیا پر ہم نے شرارت کی اور ہمارے بادشاہوں اور سرداروں اور کاہنوں اور باپ دادانے نہ تو تیری شریعت پر عمل کیا اور نہ تیرے احکام اور شہادتوں کو مانا جن سے تو ان کے خلاف گواہی دے گا۔۔۔"[34]

مثال اول کی تعبیرات وتوضیحات

عزرانبی کارب کے حضور گڑ گڑا کر دعا مانگنا:

عزرانبی کا دور وہ تھا، جس میں ہیکلِ سلیمانی کی دوبارہ تعمیر ہوئی نیز یروشلم میں خدا کی عبادت کی از سرِ نو تجدید کی گئی۔ عزرا خدا کی شریعت کے عالم تھے۔ انہوں نے مذہبی اور سماجی زندگی کی نئے سرے سے تنظیم کرنے میں لوگوں کی مدد کی تاکہ اسرائیل کا روحانی ورثہ محفوظ ہو جائے۔

عزرانبی کو اپنے تبلیغی مشن کے دوران معلوم ہوا کہ یہودیوں نے غیر یہودیوں کے خاندانوں کی بیٹیوں سے شادیاں کی ہیں۔ قوم کے سرداروں نے آکر عزرا کو بتایا کہ انہوں نے اپنے اور اپنے بیٹوں کے لیے اطراف کی قوموں سے ان کی بیٹیاں لی ہیں۔ سو مقدس نسل ان کے ساتھ خلط ملط ہو گئی اور اس بدکاری میں سرداروں اور حاکموں کا ہاتھ بہت بڑا ہوا ہے۔ عزرانبی کے اپنے الفاظ بائبل میں اس تناظر میں موجود ہیں۔ عزرا کا ردِ عمل یہ تھا کہ انہوں نے اپنی چادر چاک کر لی، داڑھی کے بال نوچے اور حیرانی و پریشانی کے عالم میں بیٹھ گئے اور شام تک بیٹھے رہے۔

بائبل کی کتابِ عزرا کے نویں باب میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کی شریعت میں غیر یہودیوں کی عورتوں سے شادی کرنا ممنوع تھا جیسا کہ پہلے انبیاء کی معرفت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ تم اپنی بیٹیاں ان کے بیٹوں کو نہ دینا اور نہ ان کی بیٹیاں اپنے بیٹوں کے لیے لینا اور نہ کبھی ان غیر یہود اقوام کی اقبال مندی چاہنا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

- Bridge way commentary میں مصنف نے بنی اسرائیل کی ایک بڑے حکم کی نافرمانی پر نبی عزرا کے رویے کو یوں بیان کیا ہے:

"People heard of Ezra's grief and gathered with their families to meet him. They confessed their wrong doing and promised an oath before Ezra that they would correct it."[35]

عزرا نبی نے جب بنی اسرائیل کی ایک بہت اہم حکم کے لیے نافرمانی کے بارے میں سنا تو وہ شدتِ غم سے نڈھال ہو گئے اور ہیکل میں ہی شام تک بیٹھ کر روتے رہے۔ وہ وہاں اپنے خداوند کو پکار پکار کر دعائیں اور التجائیں کرنے لگے۔ وہ گریہ وزاری کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ رب کو پکارتے ہوئے بنی اسرائیل کے گناہ کی معافی طلب کر رہے تھے۔

- Commentary Critical and Explanatory on the Whole Bible میں منقول ہے:

"A governor as dignified as Ezra, appearing distressed and filled with fear at the sad state of things, should produce a deep sensation; and the report of his passionate grief and expressions in the court of the temple having rapidly spread through the city, a great multitude flocked to the spot."[36]

عزرا نبی ہیکل میں خدا کے حضور دعائیں کرتے رہے اور جب وہاں عزرا رو رو کر اور اوندھے منہ گر کر اپنی قوم کے گناہوں کی معافی مانگ رہے تھے تو وہاں ان کی اس حالت کو دیکھ کر بنی اسرائیل کے بچے بوڑھے مرد اور عورتیں جمع ہو گئے اور سب لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ عزرا نبی کو اپنے منصبِ نبوت کا شدت سے احساس تھا، انہیں یہ احساس گھلائے جا رہا تھا کہ جس قوم کے وہ نبی ہیں ان سے ایک بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے جس کی سزا خدا اگر چاہے تو نیست و نابود کرنے کی صورت میں بھی دے سکتا ہے۔ اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور معافی مانگنے لگے۔

- Commentary Critical and Explanatory on the Whole Bible میں مزید بیان ہوا ہے:

"As this prayer was uttered in public, while there was a general concourse of the people at the time of the evening sacrifice and as it was accompanied with all the demonstrations of poignant sorrow and anguish, it is not surprising that the spectacle of a man so respected, a priest so holy,"[37]

عزرا نبی کی گریہ وزاری اور شدتِ غم کو ان کے آس پاس موجود لوگ دیکھ رہے تھے۔ ان کا یہ حال شام تک رہا تو لوگوں کو زیادہ پریشانی ہونے لگی۔ نبی جب خدا کے گھر کے آگے رو رو کر دعا کر رہے تھے تو ان کی آواز یقیناً بلند ہو گی جس کی وجہ سے بنی اسرائیل کی ایک

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

بڑی جماعت ان کے گرد جمع ہو گئی اور لوگوں کو احساس ہو گیا کہ وہ کتنے بڑے گناہ گار ہیں۔ انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور وہ بھی نبی کے ساتھ رورو کر معافی طلب کرنے لگے۔ اس کے بعد عزرا نبی نے لوگوں کو ایک مخصوص وقت کے اندر یروشلم اکٹھا ہونے کا حکم دیا اور یوں ایک گناہ کے وبال سے بچنے کے لیے نبی کی دعا رنگ لائی اور اللہ تعالیٰ نے گناہ کے کفارے کی صورت سے نبی کو آگاہ کیا۔

مثال دوم کی تشریح

نحمیاہ نبی کی موجودگی میں بنی اسرائیل کی اپنے گناہوں کی معافی کے لیے دعا:

بائبل کی کتاب نحمیاہ میں عزرا اور نحمیاہ نبی کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کتاب میں نحمیاہ نبی کی جو نمایاں خصوصیات موجود ہیں ان میں خدا سے ان کا گہرا تعلق اور انتہائی سوز و گداز سے اس سے دعائیں مانگنا شامل ہے۔ عزرا نبی کو یروشلم میں دیوار کو دوبارہ تعمیر کروانا تھا تو اس تعمیری کام میں نحمیاہ نے ان کی بھرپور مدد کی۔

- Bridge way commentary میں نحمیاہ کی دعاؤں کے ضمن میں ڈان فلیمنگ تشریح و توضیح پیش کرتا ہے جیسا کہ:

"They were captive into foreign lands, so that, God might humble them and bring them to repentance. Though they were now backing in their land, they were still under the foreigners."[38]

دیوار کی تعمیر کے بعد عزرا نے لوگوں کو احکاماتِ شریعت پڑھ کر سنائے جس سے بنی اسرائیل کو احساس ہوا کہ وہ شریعتِ الٰہی سے کتنی دور ہو گئے تھے۔ پھر اس کے بعد انہوں نے مختلف امور سرانجام دیے۔ انہوں نے سات دن عید منائی اور آٹھویں دن دستور کے مطابق مقدس مجمع اکٹھا ہوا۔ اس میں انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور وہ خدا کے حضور اپنے گناہوں کے اقرار کی معافی طلب کرنے لگے۔

- Bridge way commentary میں مزید منقول ہے:

"They confessed that this was a just reward for their sins, for they had ben disobedient to the covenant."[39]

بنی اسرائیل کو اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کا احساس ہو گیا تھا نیز انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان پر جو آفتیں اور مصیبتیں آتی ہیں وہ ان کے اپنے ہی گناہوں و کوتاہیوں کا صلہ ہے۔

- Commentary Critical and Explanatory on the Whole Bible کا مصنف رقم طراز ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

"Confessed their sins, and the iniquities of their fathers--Not only did they read in their Recent sufferings a punishment of the national apostasy and guilt, but they had made themselves partakers of their fathers' sins by following the same evil ways."[40]

بنی اسرائیل کی غلطیوں اور نافرمانیوں کے سبب اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف مواقع پر ذلت ورسوائی میں ڈالا۔ نبی کے احساس دلانے پر، احکاماتِ الٰہی کی تعلیم بھی دی جس کے باعث انہوں نے اعتراف کیا کہ ان کے بادشاہوں، سرداروں اور کاہنوں نے شریعتِ الٰہی پر عمل نہ کیا اور وہ اپنی بدکاری سے باز نہ آئے جس کے باعث وہ آج غلام ہیں۔ وہ اپنے ہی ملک میں غلام قوم کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ عزرا و نحمیاہ کی موجودگی میں لوگوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور ان کی سربراہی میں اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔

نحمیاہ نبی کی عاجزی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے جو بھی اصلاحات کیں ان کے بعد وہ خدا کے حضور عاجزانہ دعا مانگتے ہیں اور کہتے ہیں:

"اے میرے خدا! اس کے لیے مجھے یاد کر اور میرے نیک کاموں کو جو میں نے خدا کے گھر اور اس کی رسوم کے لیے کیے مٹا نہ ڈال۔۔"[41]

اس کے بعد وہ اپنی نیکیوں کا ذکر کرتے ہوئے رب کے حضور عرض کرتے ہیں:

"اے میرے خدا! اسے بھی میرے حق میں یاد کر اور اپنی بڑی رحمت کے مطابق مجھ پر ترس کھا۔۔ اے میرے خدا! میری بھلائی کے لیے مجھے یاد کر۔"[42]

نحمیاہ نبی کی دعاؤں و التجاؤں کا ملاحظہ کرتے ہوئے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ کس قدر عاجز اور خدا کے حضور جھکے ہوئے انسان تھے۔ انہوں نے اپنے اچھے کاموں کی وجہ سے اپنے آپ پر غرور نہیں کیا بلکہ انکساری کے ساتھ اپنے تمام تر نیک اعمال رب کے حضور اپنی دعاؤں میں پیش کرتے ہوئے ان کی قبولیت کی فریاد کی۔

بائبل میں مذکور انبیاء کرام کی دعاؤں کا مطالعہ کرنے سے ادراک ہوتا ہے کہ وہ ہستیاں کس قدر عظیم تھیں جنہوں نے شانِ بندگی کا حق ادا کر دیا۔ وہ دعائیں جو انہوں نے تنہائی میں مانگی یا جلوت میں، وہ ان کا، اپنے رب کے ساتھ مثالی تعلق کا مرقع ہیں۔ وہ دعائیں ان کی اقوام کے لیے نمونہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔

حاصلِ کلام:

انبیاء و رسل بطور داعیانِ الحق رب تعالیٰ سے الہامی ہدایت و رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ انبیاء کرام کا منصبِ عالی بھی اس بات کا متقاضی تھا کہ انہیں اللہ رب العزت بروقت اور موقع محل کی مناسبت سے رہنمائی عطا کریں۔ انبیاء اللہ تعالیٰ کو کس طرح پکارتے تھے ان کی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

پکار کن الفاظ و بیان پر مشتمل ہوتی تھی، ان کے کلام و مکالمہ، رب کے حضور دعاؤں، التجاؤں و مناجات کس نوعیت کی تھیں یہ سب تفصیلات بائبل کے تناظر میں یہاں بیان کی گئی ہیں۔

حواشی و حوالہ جات:

[1] محمد اسحاق جلالپوری، تاج محمد (مرتبین و مولفین)، درسی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2012، ص:1327

[2] قاسمی، مولانا وحید الزمان کیرانوی، قاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، لاہور، 2001، ص:1422

[3] مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات اردو جامع، فیروز سنز، لاہور، 2010، ص:1276

[4] ابن سرور محمد اویس و عبد النصیر علوی (مترجمین)، المعجم الوسیط (عربی اردو)، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، ص:72-73

[5] ڈاکٹر غلام علی خان، 'مکالمہ بین المذاہب، نوعیت، حدود و شرائط اور مقاصد'، القلم، ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور، جون، 2010، صفحہ 197-198

[6] کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی، انار کلی، لاہور، 2006، خروج، باب-3، درس-13، ص:67

[7] Reginald C. Fuller D.D., A new catholic commentary on the Holy scripture, Thomas Nelson and sons Ltd, 1953, Pg:209

[8] Anonymous, Master study Bible, Holman Bible publishers, Nashville, 1960, Pg:56

[9] C.H. Irwin, Irwin's Bible commentary, Winston company U.S.A., N.D. Pg:30

[10] Mathew, Henry, Commentary on the whole bible, Grand Rapids, MI:2000,pg:419

[11] Don Fleming, Bridge way commentary,Bridge way Publishers,Australia, pg:29

[12] 2 - سموئیل، باب-2، درس-1-4، ص:330

[13] J.R. Dummelow, A Commentary on the Holy Bible,Macmillan Company,1956, Pg:196

[14] J.R. Dummelow, A Commentary on the Holy Bible, pg: 196

[15] C.H. Irwin, Irwin's Bible commentary,Winston Company U.S.A,pg:96

[16] C.H. Irwin, Irwin's Bible commentary, pg: 96

[17] مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات اردو جامع، فیروز سنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۱۲

[18] محمد اسحاق جلالپوری، تاج محمد (مرتبین و مولفین)، درسی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص122

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 4 No.4 2020

[19]خروج، باب-4، درس-10-14، ص:68

[20]Mathew, Henry, Commentary on the whole bible,pg:433
[21]Mathew, Henry, Commentary on the whole bible, pg: 434
[22]Don Fleming, Bridge way commentary,pg:29
[23]Reginald C. Fuller D.D., A new catholic commentary on the Holy scripture,pg:210

[24]زبور، باب-119، دروس-81-86، ص:658

[25]Don Fleming, Bridge way commentary,pg:228
[26]C.H. Irwin, Irwin's Bible commentary,pg:205
[27]J.R. Dummelow, The one volume Bible commentary, pg:124

[28]مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات اردو جامع، فیروز سنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص۶۲۹

[29]قاسمی، مولانا وحید الزمان کیرانوی، قاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۴۲۲ھ / ۲۰۰۱ء، ص۵۲۶

[30]ابن سرور محمد اویس و عبد النصیر علوی (مترجمین)، المعجم الوسیط (عربی اردو)، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، ص۳۳۸

[31]محمد اسحاق جلالپوری، تاج محمد (مرتبین و مولفین)، درسی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص۱۳۲۷

[32]عزرا، باب-8، درس-21، ص:511

[33]عزرا، باب-10، درس-1، ص:513

[34]نحمیاہ، باب-9، درس-32-34، ص:524

[35]Don Fleming, Bridge way commentary,pg:173
[36]Don Fleming, Bridge way commentary, pg:174
[37]Robert Jamieson, A. R. Fausset and David Brown, Commentary Critical and Explanatory on the Whole Bible, Bennie Blount minister international, 1871,pg:749
[38]Don Fleming, Bridge way commentary,pg:177
[39] Don Fleming, Bridge way commentary, pg: 177
[40]Robert Jamieson, A. R. Fausset and David Brown, Commentary Critical and Explanatory on the Whole Bible, Bennie Blount minister international,pg:762

[41]نحمیاہ، باب-13، درس-14 ص:531

[42]نحمیاہ، باب-13، درس-22، ص:531